عظمت حیات*

برِ عظیم میں فارسی مکتوب نگاری کی روایت

Azmat Hayat

Abstract: With the establishment of Muslim rule in India, Persian language and literature began to flourish. Masood Saad Sulaiman Lahori emerged as the first prominent Persian poet, while Hazrat Ali Hajveri is recognized as the first Persian prose writer. Under their influence, a significant number of writers in both Persian poetry and prose emerged, providing Persian with a strong foundation to thrive. Although most of the sultans of the Delhi Sultanate were of Turkish origin, their familiarity with Persian led them to adopt it for the administrative needs of the Sultanate and the royal court. Besides Delhi, cities like Lahore, Gujarat, and the Deccan also became known as major centers of Persian culture during the Sultanate era.

With the spread of Persian, many poets and writers across different regions adopted it as their medium of expression. The literature of the royal courts attracted significant works from Iran, Afghanistan, and Central Asia, where they received official patronage. Alongside Persian poetry, Persian epistles and letters underwent a transformation, with significant contributions such as Amir Khusro's *Ejaz-i Khusravi* and Mahmood Gavan's *Manazir Ul Insha*, both of which hold historical importance. Later, writers like Hakeem Yusufi, Abul Fazl, Faizi, and other notable epistolary writers further enriched the Persian literary tradition, creating a flourishing period for Persian prose. Faizi, in particular, initiated a movement to simplify the complex narrative style, reduce Arabic influence, and make the language more accessible.

This movement led to a shift toward writing in a simpler and more direct style, influencing writers such as Abul Fateh Gilani, Chandrabhan Brahman, Muhammad Saleh Kanboh, and

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج پنڈی گھیب (ضلع اٹک)

even the emperor Aurangzeb Alamgir. Additionally, Sufis like Hazrat Mujaddid Alf Sani, through their works in Persian, contributed to the development of a more straightforward and expressive form of Persian prose.

This article provides an overview of the tradition of Persian letter writing in India, explores the various styles within this genre, and introduces some of the most important Persian epistolary writers.

کلیدی الفاظ: برعظیم پاک وہند، فارسی ادبیات، فنِ انشا، مسعود سعد سلیمان، امیر خسرو، پنج رقعہ، انشائے ابوالفضل، انشائے خلیفہ، انشائے مادھورام اور بہارِ عجم

برِ عظیم میں اِسلامی حکومت کے وجود میں آتے ہی فارسی زبان و ادب پھلنے پھُولنے لگا۔ مسعود سعد سلیمان لاہوری [۱۰۴۸ءتا۱۱۲۱ء] اور حضرت علی ہجویریؒ [۱۰۰۹ءتا۱۰۷۲ء] اس خطے کے ابتدائی دور کے شاعر اور نثر نگار ہیں۔ سلطنتِ دہلی کے بیش تر سلاطین اور امرا باوجود ترکی الاصل ہونے کے فارسی زبان سے آشنا تھے۔ وسطِ ایشیا سے تعلق رکھنے والے ان کے فوجیوں کے باہمی رابطے کی زبان بھی فارسی ہی تھی۔ مرورِ ایام سے مقامی ہندو بھی فارسی زبان کو لازمۂ تعلیم سمجھ کر اس میں دِل چسپی لینے لگے۔ طبقاتِ اکبری میں سکندر لودھی [۱۴۸۸ءتا۱۵۱۷ء] کے عہد کے حوالے سے اس ضمن میں یہ تحریر ملتی ہے:

> در عہدِ فرخندۂ او علم رواج یافت و امرزادگانِ دولت و سپاہیان بکسب فضل اشغال نمودند و ہندوان بخواندن و نوشتنِ خطِ فارسی کہ تا آں زمان در میانِ ایشاں معمول نبود، پرداختند۔ (۱)

عہدِ سلاطین میں لاہور، دہلی، گجرات اور دکن وغیرہ فارسی زبان و ادب کے مراکز رہے۔ امیر خسرو اس عہد کی ممتاز ادبی و تہذیبی شخصیت ہیں۔ آگے چل کر مغل عہد میں نہ صرف یہاں، فیضیؔ، ابوالفضل اور بیدلؔ جیسے شاعر اور انشاپرداز پیدا ہوئے بلکہ صفوی بادشاہوں کی عدم توجہی سے دِل برداشتہ ہو کر ملکِ ایران کے طول و عرض سے بھی بہت سے شاعروں نے ہندُستان کا رُخ کیا۔ (۲)

سرکاری سرپرستی نیز صوفیہ، علما اور ادبا کی کاوشوں سے فارسی زبان کا رسُوخ اس قدر بڑھا کہ خاص و عام نے باہمی مکاتبت کے لیے بھی اسی زبان کو وسیلۂ اظہار قرار دیا۔ برِ عظیم پاک وہند میں فارسی انشا و مکاتبت کے دو اسالیب بہ یک وقت مروج رہے: ایک پُر تکلف اور پُر تصنع جب کہ دوسرا سادہ اور عام فہم۔ اول الذّکر اُسلوب عربی مقامات

کے زیرِ اثر صنعتوں کے جا و بے جا استعمال اور پُر شکوہ الفاظ و تراکیب کے ذریعے عبارت آرائی کی کوشش کا نام تھا تو آخر الذکر زینتِ الفاظ کے بہ جائے ابلاغِ معانی پر یقین رکھتا تھا۔

اہلِ فارس کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی فارسی پر عربی زبان کا اثر و نفوذ بڑھنا شروع ہوا۔ ایک اولوالعزم اور ظفر مند قوم کی زبان ہونے کے ناتے عربی کے پاس ایک شان دار ادبی اور لسانی سرمایہ اکٹھا ہو چکا تھا۔ نیز اس زبان کے علمی موضوعات اور مباحثوں میں بڑا تنوع تھا۔ چناں چہ اہلِ فارس میں دینی اور علمی زبان کی حیثیت سے عربی میں استعداد بڑھانے اور پھر اس زبان کے علمی و ادبی خزانے سے اخذ و استفادہ کی کاوشیں تیز تر ہو گئیں۔ ادھر ناقدین نے عبدالحمید بن یحییٰ اور اس کے ایرانی نژاد مقلدین کے مروج کردہ عربی اُسلوبِ مراسلت میں یونانی اور فارسی آثار تلاش کیے ہیں۔ انھوں نے ساسانیوں کی دفتری روایات کو عربی کی لسانی قوت سے ہم آہنگ کر کے ایک نئے طرزِ انشا کی طرح ڈالی جس میں استعارہ و تشبیہ کا استعمال مناسب جب کہ جملوں کی طوالت پہلے سے زیادہ تھی۔ البتہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں عربی ادب و انشا میں بدیع الزمان ہمدانی، صاحب ابنِ عباد اور حریری جیسے رجحان ساز انشا پردازوں کے زیرِ اثر اظہارِ مدعا کے بجائے رنگینیٔ عبارت، تکلف اور صنائع لفظی کا چلن عام ہو گیا۔(۳)

فارسی زبان بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ بلکہ فارسی ادیب یہ سمجھنے لگے کہ عربی کے تتبع و تقلید کے بغیر عمدہ ادب تخلیق کرنا ممکن ہی نہیں؛ بالخصوص صنائع بدائع اپنی اصل میں عربی پس منظر رکھتے ہیں۔ فارسی زبان کی عربی سے مرعوبیت کے اہم پہلو یہ تھے:

۱۔ فارسی عبارات میں عربی اقتباسات بہ صورتِ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی ﷺ، عربی اشعار، مقولے اور ضرب الامثال برتے جانے لگے۔

۲۔ فارسی نثر و نظم میں عربی الفاظ، تراکیب اور کلمات کا استعمال شروع ہو گیا۔

۳۔ عربی زبان میں فنِ انشا پر عالمانہ دسترس رکھنے والے ادیبوں کے زیرِ اثر صنائع لفظی و معنوی کا استعمال بڑھا تو فارسی میں بھی مختلف صنعتوں؛ اجناس، ازدواج، قافیہ وغیرہ کا خصوصی اہتمام کیا جانے لگا۔

۴۔ چھٹی صدی ہجری کے پُر جلال عربی اُسلوب کی تقلید میں فارسی میں بھی پُر شکوہ اور بارعب الفاظ کے ذریعے عبارت میں شاہانہ طنطنہ پیدا کیا جاتا۔

۵۔ عبارت میں اجمال کی جگہ اطناب نظر آنے لگا۔ یعنی تحریر کا اولین مقصد اظہارِ مدعا کے بجائے لفظی بازی گری ٹھہرا۔

۶۔ موضوعات میں بھی فارسی نے عربی ہی کی پیروی کی۔

اس ہمہ جہت مرعوبیت خصوصاً صنائع لفظی کے خلاف ردِ عمل بھی سامنے آیا۔ایرانی قوم پرستوں نے عربوں اور عربی سے بیزاری ظاہر کی۔ عجم کی زبان اور تاریخ کے گُن گائے گئے۔بہت سی کتابیں اس اہتمام سے لکھی گئیں کہ تحریر میں عربی امثال واشعار نہ آنے پائیں۔یہ قوم پرست جماعت ' شعوبیہ' کہلاتی تھی۔(۴)

برِ عظیم کے فارسی انشاپردازوں کا ابتدائی رویہ بھی اہلِ فارس سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ایک طبقے کے خیال میں عبارت کی رنگینی اور مختلف صنعتوں کا فن کارانہ استعمال ہی مقصودِ تحریر اور کمالِ فن تھا تو دوسرے طبقے کے خیال میں اظہارِ مطلب اور ادائے مضمون کی اہمیت بنیادی تھی جب کہ ظاہری آرائش کی ثانوی۔امیر خسرو جیسے فن کار کے خیال میں بھی معیاری فارسی انشا و مکاتبت کے لیے عربیت اور صنائع لفظی کا استعمال ناگزیر تھا۔(۵)

برِ عظیم میں فارسی فنِ انشا پر بھی تحریریں ملتی ہیں۔ان کتابوں میں فنِ انشا کے حوالے سے جن عمومی افکار و نظریات پر مباحث قائم کیے گئے ہیں انھوں نے یقیناً انشا کے دیگر شعبوں کی طرح مکتوب نگاری کی روش متعین کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہوگا۔یہ بات اس لیے بھی قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان کتب کے مصنّفین میں امیر خسرو اور محمود گاواں جیسی نابغۂ روزگار ہستیوں کے نام ملتے ہیں۔اس سلسلہ میں ایک اہم تصنیف امیر خسرو کی اعجازِ خسروی ہے۔خسرو جدتِ تشبیہات، ندرتِ استعارات اور صنائع بدائع کے استعمال کو کامیاب انشاپردازی کے لوازمات میں شمار کرتے ہیں۔اعجازِ خسروی کی اپنی تحریر بھی مصنوعی نثر کا نمونہ ہے:

در سوادِ این رسالہ گلستان ہا بسیار ست بگلہائی گوناگوں آراستہ۔یعنی ہر نامہ گلشنی است
تازہ تر و تحف در وی شاخ رفتہ۔آنچہ در رسالۂ اوّل نہالی نوخیز بود درین باغ گلبنی بلند گشتہ است
واز بادِ نطق بشگفتہ واز ہر شعبہ مرغی خوش نوانوائی گلبانگ برآوردہ۔(۶)

محمود گاواں نے اپنی تصنیف ''مناظر الانشا'' میں فنِ انشا کی تعریف، تقاضوں اور لوازمات سے بحث کی ہے۔گاواں معیاری فارسی انشا کے لیے عربی تراکیب، محاورات، اور ضرب الامثال کو ضروری سمجھتا ہے۔وہ مخاطب کے مقام و مرتبے سے مناسبت رکھنے والے القاب وآداب کو خصوصاً لائقِ توجہ سمجھتا ہے۔(۷)ہمایوں کے منشی حکیم یوسفی کی تصنیف بدائع الانشا [سالِ تکمیل: ۱۵۳۳ء] میں بھی فنِ انشا کے لوازمات سے بحث کی گئی ہے۔بدائع الانشا میں سلاطین، امرا، علما وغیرہ کو مخاطب کرنے اور انھیں تعزیت و تہنیت کے مکتوبات تحریر کرنے کے طریقے اور اسالیب بیان کیے گئے ہیں۔(۸)

طرب الصبیان بھی مکتوب نویسی کے فنی تقاضوں پر روشنی ڈالتی ہے۔اس کتاب کا مؤلف نورالدین محمد، فیضی اور ابولفضل کا بھانجا ہے۔ایک بلند مرتبت علمی خانوادے کے فرد کی حیثیت سے اس کے دیے گئے مکاتیب کے

نمونوں کو اپنے عہد کی مکتوب نگاری کی روایت کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے۔اس کتاب میں نوآموزوں کو مختلف ضروریات کے تحت مختلف مرتبہ کے حامل افراد اور عہدے داروں کو مکاتیب لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔طرب الصبیان ہی کے نمونے پر نوجوانوں کو مکتوب نویسی کی تربیت دینے والا ایک اور مجموعہ زبدۃ الانشا کے نام سے بھی ملتا ہے۔(۹)

عربیت سے لبریز مصنوعی انشائی رنگ کے ردِ عمل میں فیضیؔ کی تحریک پر 'تطہیرِ فارسی' کی کاوشیں شروع کی گئیں۔اس تحریک کا مقصد عبارت میں غیر ضروری تشبیہات، مترادفات اور عام فہم فارسی الفاظ و محاورات پر عربی کے ادق الفاظ و تراکیب کو ترجیح دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا تھا۔اس کے نتیجے میں بہت سے مکتوب نگاروں نے دانستہ طور پر سادہ اور عام فہم اُسلوب اپنایا۔امیر خسرو، محمود گاواں، ابوالفضل وغیرہ پُر تکلف اُسلوب کے نمائندے ہیں تو بیش تر صوفیائے کرام [خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ اور چشتی صوفیہ] کے علاوہ ابوالفیض فیضی، حکیم ابوالفتح گیلانی، چندر بھان برہمن، محمد صالح کنبوہ اور اورنگ زیب عالم گیر کے مکاتیب اور رقعات میں سیدھا سادہ اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔(۱۰) ہر دو اسالیب کے امتیازی رجحانات کا تقابل اس طرح کیا جا سکتا ہے:

پُر تکلف اسلوب:

۱۔ طویل القاب و آداب سے خط کا آغاز۔
۲۔ طویل جملے۔
۳۔ خطوط میں طوالت۔
۴۔ اظہارِ مطلب سے زیادہ عبارت آرائی کی سعی۔
۵۔ عربی اقوال و اشعار کا استعمال۔
۶۔ زیادہ تر علمی مباحث۔
۷۔ بالعموم شاہی فرامین اور سرکاری مراسلت۔
۸۔ روایت کا عروج محمد شاہی روش کی صورت میں۔

سادہ اسلوب:

۱۔ خط کا قدرے سادہ آغاز۔
۲۔ مقابلتاً مختصر جملے۔
۳۔ خطوط میں اختصار۔

۴۔ عبارت آرائی سے زیادہ ادائے مطلب پر توجہ۔

۵۔ عربی تراکیب، اقوال کا حسبِ ضرورت استعمال۔

۶۔ کسی حد تک ذاتی کوائف کا اندراج۔

۷۔ بالعموم اعزا اور تعلق داروں کے نام مکاتبت۔

۸۔ صنائع بدائع کا متوازن استعمال۔

قاضی حمید الدین ناگوری [۱۱۲۱ء تا ۱۲۲۷ء]، شیخ حمید الدین صوفی [۱۱۷۴ء تا ۱۲۷۴ء]، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری [۱۲۸۶ء تا ۱۳۵۵ء]، عین الملک ملتانی [م۔ بعد از ۱۳۶۲ء؛ مجموعہ انشاء ماہرو مرتبہ پروفیسر شیخ عبدالرشید]، شیخ نور الدین قطبِ عالم [۱۳۲۲ء تا ۱۴۱۰ء]، میر سید محمد جعفر المکی الحسینی [۱۳۰۶ء تا ۱۴۳۷ء؛ شاہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ؛ مجموعہ مکاتیب کا نام بحر المعانی]، ابوالفیض فیضی [۱۵۴۷ء تا ۱۵۹۵ء؛ مجموعہ انشا لطیفہ فیاضی مرتبہ نورالدین محمد] شیخ ابوالفضل علامی [۱۵۵۱ء تا ۱۶۰۲ء]، حکیم ابوالفتح گیلانی، شیخ احمد المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانیؒ [خطوط کا مجموعہ مکتوباتِ امام ربانی]، سعد اللہ خان [شاہ جہان کے وزیرِ اعظم]، منیر لاہوری [مکتوبات کا مجموعہ انشای منیر] محمد صالح کنبوہ [مجموعہ بہارِ سخن] اور نگ زیب عالم گیر [مکاتیب کے مجموعے رقعاتِ عالم گیری اور آدابِ عالم گیری] برِ عظیم کے رجحان ساز فارسی مکتوب نگار تھے۔ اور نگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی مغل حکومت کا زوال تیز تر ہو گیا۔ البتہ فارسی زبان کی اہمیت ابھی باقی تھی۔ دورِ زوال کے اس عہد کے نمایاں مکتوب نگاروں میں مرزا عبدالقادر بیدل، حضرت شاہ ولی اللہ، علامہ عبدالجلیل بلگرامی، مرزا مظہر جانِ جاناں، لچھمی نرائن شفیق، نواب سید عبداللہ خان قطب الملک، شیخ علی حزین، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا قتیل اور فائق کے نام ملتے ہیں۔ جیسا کہ کلیہ ہے سماجی زوال کے دور میں ادبیات میں صنعتوں کے زائد از ضرورت استعمال سے عبارت میں رنگینی اور چٹخارا شامل کیا جاتا ہے، برِ عظیم کا اٹھارویں صدی عیسوی کا فارسی گو طبقہ بھی اس بدعت سے مستثنا نہ رہا:

> اٹھارویں صدی عیسوی کے ان منشیوں میں سے بعض نے ایک قدم یہ بھی اٹھایا کہ عبارت کو صنائع بدائع کے استعمال سے گراں بار کر دیا۔ ان کے خطوط میں تجنیس، براعتہ الاتہلال، مراعتہ النظیر، ایہام بلکہ واسع الشفتین، موصل الشفتین اور رقطا و حنیفا جیسی صنعتیں بڑی کثرت سے ملتی ہیں۔ (۱۱)

انشا و مکاتیب میں 'محمد شاہی روش' کی صورت میں صنائع بدائع کا جو طوفان در آیا، اس نے فارسی زبان کے زوال کے بعد اُردو زبان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ روز افزوں انگریزی فتوحات اور مسلم حکومتی مراکز کی زبوں

حالی سے جہاں حکومت و سطوت کے مراکز زیر و زبر ہوئے وہیں معاشرے میں سماجی اور تہذیبی تغیر بھی تیز تر ہو گیا۔فارسی زبان بھی اپنی سرکاری، علمی اور ادبی حیثیت سے بہ تدریج محروم ہوتی چلی گئی۔اب اُردو برِ عظیم کے مسلمانوں کی زبان کے طور پر مروج ہونے لگی۔ پھر انگریز فاتحین کی انتظامی ضرورت کا بھی تقاضا تھا کہ اُردو (جسے بعد میں اُردو اور ہندی میں تقسیم کر دیا گیا) کی سرپرستی کی جائے کیونکہ بول چال کے لیے اُردو اور تحریر کے لیے فارسی کی صورت میں بہ یک وقت دو اجنبی زبانیں سیکھنا ان کے نزدیک مشقتِ محض تھی مزید برآں یہ سوچ بھی کارفرما تھی کہ فارسی سے دست برداری کی صُورت میں اس خطے کے مسلمان اپنے ماضی سے نابلد ہو کر تابع فرمان رعایا بن جائیں گے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور دہلی کالج جیسے ادارے قائم کیے گئے اور ۱۸۳۷ء میں فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی۔ان حالات میں دیگر اصنافِ سخن کی طرح مکتوب نگاری میں بھی اُردو زبان برتی جانے لگی۔مگر ظاہر ہے صدیوں پر محیط فارسی مکتوب نگاری کی روایت سے بہ یک جنبشِ قلم علاحدگی اختیار نہیں کی جاسکتی تھی۔ابھی معاشرے میں فارسی زبان کا اثر و نفوذ باقی تھا:

> مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد بھی مدت تک فارسی زبان اور قدیم طرزِ انشا کا سکہ جاری رہا۔فارسی قدیم علوم و فنون کا مخزن اور تہذیب و ثقافت کی علامت تھی۔مکتبی نصاب میں فارسی خطوط و رقعات کے مجموعے مثلاً پنج رقعہ،انشائے ابوالفضل،انشائے خلیفہ،انشائے مادھو رام اور بہارِ عجم وغیرہ پڑھائے جاتے تھے۔(۱۲)

درج بالا اقتباس میں شامل کتب کے علاوہ بھی اس عہد میں انشا و مکاتبت کی تدریس کے لیے متعدد فارسی کتب برِ عظیم میں لازمۂ تعلیم سمجھی جاتی رہیں۔ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں :

انشائے تمیز	از	منشی کالی رائے تمیز
انشائے فائق	از	مولوی محمد فائق
انشائے دولت رام	از	دولت رام
انشائے مفید	از	منشی لچھمی رام پنڈت
انشائے دل کشا	از	منشی فتح چند
انشائے بے نقاط	از	منشی کامنا پرشاد
انشائے ہر سہائے	از	منشی ہر سہائے
رقعاتِ لچھمی نرائن	از	لچھمی نرائن

انشائے گلزارِ عجم	از	مقبول احمد فاروقی
انشائے دل آویز	از	مولوی عبد العزیز
رقعاتِ عزیزی	از	مولوی عبد العزیز آردی
انشائے عجیب	از	منشی محمد جعفر
انشائے منیر	از	میر صافی منیر
سہ نثر ظہوری	از	مُلا نورالدین ظہوری
پنج رقعہ	از	منشی ولایت حسین

یہی وجہ ہے کہ ابتدائی اُردو مکتوب نگاری پر فارسی مکتوب نگاری کے اثرات قطعی عیاں ہیں۔اِس اثر پذیری کی نمایاں جہات حسبِ ذیل رہیں:

ا۔ خط کے آغاز میں فارسی القاب وآداب۔

۲۔ تحریر میں فارسی تراکیب کا بھرپُور استعمال۔

۳۔ فارسی اشعار، ضرب الامثال، محاورات اور اساطیر کے استعمال سے تحریر کو زیادہ علمی اور مدلّل بنانے کی کاوشیں۔

۴۔ فارسی اُسلوب کی پیروی۔خط کی تحریر کو قافیہ آرائی اور عبارت آرائی سے متاثر کن بنانا۔

۵۔مخاطب پر علمی وجاہت کی دھاک بٹھانے کے لیے مغلوں کے عہدِ زوال کی 'محمد شاہی روش' برتنا۔

انگریزی عمل داری میں فارسی زبان اپنی سرکاری حیثیت سے تو پہلے ہی محروم ہو چکی تھی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناکامی نے مسلم ہند معاشرے سے اس کی علمی وادبی اہمیت بھی بڑی حد ختم کر دی۔روایت پسند مذہبی طبقے نے کچھ مدت تک فارسی زبان کا دفاع کیا مگر ۱۸۶۰ء کی دہائی میں مرزا غالب جیسے فارسی کے نام ور شاعر نے جب اُردو مکتوب نگاری کو اپنا وتیرہ بنا لیا تو عوام کو بھی فارسی مکتوب نگاری کا یارانہ رہا۔ برِعظیم میں فارسی مکتوب نگاری کی روایت کے ضمن میں یہ نتائج مرتب کیے جا سکتے ہیں:

ا۔ برِعظیم میں فارسی مکتوب نگاری کی روایت لگ بھگ تمام مسلم عہدِ حکومت پر محیط ہے۔

۲۔ اس روایت کا توسیعی عمل حکومت سے رعایا، صوفیہ سے علما اور مسلمانوں سے ہندوئوں کی سمت جاری رہا۔

۳۔ تقریباً تمام مسلم عہد میں سرکاری مکتوب نگاری فارسی ہی میں ہوتی رہی۔ اس ضمن میں یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ مسلم عہد کے آغاز میں جب دربار میں بول چال کی زبان ترکی تھی یا آخر میں جب مکالمے کی حد تک اُردو رواج پا چکی تھی، فارسی نے سرکاری مراسلاتی زبان کی حیثیت برقرار رکھی۔

۴۔ برِ عظیم میں فارسی مکتوب نگاری کے دو اسلوب یعنی سادہ نگاری اور پُر تکلف اسلوب بہ یک وقت جاری رہے۔

۵۔ یہاں فارسی انشا پردازی کی درسی روایت بھی تقریباً اتنی ہی قدیم ہے جتنی فارسی مکتوب نگاری کی۔

۶۔ بعض مکتوب نگاروں نے خط و کتابت میں انشا پردازی کے ایسے جوہر دکھائے کہ مستقل ادبی مقام کے حق دار قرار پائے۔ ابو الفضل علامی، شیخ فیضی، شیخ احمدؒ سرہندی، اورنگ زیب عالم گیر وغیرہ اسی قسم کے مکتوب نگار ہیں۔

۷۔ فارسی مکتوب نویسی کو برِ عظیم کی عمومی و ادبی تاریخ کے اہم ترین ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ روایت بیان و انشا کے مختلف اسالیب کی نشان دہی کے علاوہ اپنے عہد کے نمایاں علمی و ادبی مسائل اور موضوعات و شخصیات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس روایت میں سلاطین و امرا کے احوال و کوائف بھی محفوظ ہیں اور صوفیہ و علما کی مساعی بھی۔ ابوالفضل کے مکاتیب میں اکبری جاہ و جلال کی پیش کش ہے تو حضرت مجددؒ کے خطوط میں تحریک تجدیدِ دین کی تصویر۔ رقعاتِ عالم گیری میں امورِ جہاں بانی سے بحث ہے تو مکتوباتِ معصومیہ میں رموزِ معرفت منکشف ہیں۔

۸۔ فارسی خط نویسی نے اپنے آدابِ تخاطب، اسلوبِ بیان، الفاظ کی تہذیب و ترتیب، عبارت و معانی کے دروبست اور صنائع بدائع کے برمحل استعمال سے ایک ایسی پُر کیف فضا تشکیل دی جو برِ عظیم کے معاشرے کی تہذیب آرائی، تمدن آفرینی، ذوق پروری اور خیال افروزی کا باعث بنی۔ یوں برِ عظیم میں فارسی مکتوب نگاری نے ایک ایسے فعال ادارے کا درجہ حاصل کر لیا جس کا رسوخ محض رابطے کے ایک ذریعے یا انشا پردازی کی ایک صنف سے کہیں بڑھ کر تھا۔

۹۔ فارسی انشا و مکاتبت کی درسی کتب نے اُردو مکتوب نگاری کو بالخصوص جب کہ اُردو کی دیگر اصنافِ نظم و نثر کو بالعموم متاثر کیا۔ اگر ایک طرف اُردو مکتوب نگاری اپنے القاب و آداب اور پر تکلف اسلوبِ تحریر کے لیے اس درسی روایت کی رہینِ منت ہے تو دوسری طرف اُردو داستان، غزل، مثنوی وغیرہ میں صنائع بدائع کا استعمال بھی کسی حد تک مذکورہ درسی کتب کے زیرِ اثر مروج و مقبول ہوا۔

۱۰۔ سرکاری سرپرستی سے محرومی نیز اُردو زبان کی بہ تدریج ترقی اور اسلامی شناخت حاصل کر لینے کے نتیجے میں جہاں برِ عظیم میں فارسی کی علمی و ادبی روایت پر منفی اثرات مرتب ہوئے وہیں فارسی مکتوب نگاری بھی آخر کار بیسویں صدی کے اوائل میں دم توڑ گئی۔

حوالہ جات

(۱) نظام الدین احمد، طبقاتِ اکبری (لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور ،۱۸۷۵ء)، ص ۱۷۱۔

(۲) عندلیب زہرا کاموں پوری (مترجم)، فارسی ادب کے ارتقا کی مختصر تاریخ از پروفیسر ذبیح اللہ (لکھنؤ، نامی پریس، س ن)، ص ۸۸۔

(۳) عبدالرحمان طاہر سورتی (مترجم)، تاریخِ ادبِ عربی از استاذ احمد حسن زیات، (نئی دہلی؛ البلاغ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۳۴۷۔

(۴) عندلیب زہرا کاموں پوری (مترجم)، فارسی ادب کے ارتقا کی مختصر تاریخ ، محولہ بالا، ص ۱۷۔

(۵) مرزا محمد منور، انشا و مکتوبات مشمولہ تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (تیسری جلد)، (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء) ص ۳۶۰۔

(۶) امیر خسرو، اعجازِ خسروی (رسالۂ ثانیہ)، (لکھنو، مطبع نول کشور، س ن) ص ۲۔

(۷) مرزا محمد منور، انشا و مکتوبات، محولہ بالا، ص ۳۸۳۔

(۸) مرزا مقبول بیگ بدخشانی، انشا، مشمولہ تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (چوتھی جلد)، (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء) ، س ن) ص ۸۰۹۔

(۹) ایضاً ص ۸۲۱۔

(۱۰) ایضاً ص ۸۳۶۔

(۱۱) ناظر حسین زیدی، ڈاکٹر، انشا، مشمولہ تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (پانچویں جلد) ، (لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء) ص ۲۳۷۔

(۱۲) ڈپٹی نذیر احمد، شمس العلما، موعظۂ حسنہ (لاہور، مجلسِ ترقی ادب، مارچ ۱۹۶۳ء) ص ۲۔